© rasailojaraid.com

مولانا اسعد میاں جوارِ رحمت میں

مولانا عتیق الرحمان سنبھلی

یرحم اللہ عبداً قال امینا

ہم عمر وہم درس وہم جماعت ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں، اسعد میاں بھی کامل تین ماہ کی مایوس کن علالت کے دن پورے کر کے 6 محرم 1427/ 6فروری 2006ء کو اسی رواں دواں قافلہ کا فرد بن گئے۔ اللہ بال بال مغفرت فرمائے اور ہم پیچھے رہ جانے والوں کو بھی اپنے وقت پر اس مغفرت ورحمت کا شریک بنائے۔ صحیح تاریخ او رمہینہ تو یاد نہیں البتہ 1944ء وثوق سے یاد ہے جو ہجری 1363 کے متوازی تھا اور مہینہ از روئے قیاس شوال کا ہونا چاہیے (جو انگریزی مہینہ اکتوبر کے مطابق بنتا ہے) کہ اپنا داخلہ دیو بند میں ہوا۔ کتابیں جو ملیں ان میں ایک مختصر المعانی تھی (وہ زمانہ طلبہ کی درجہ بندی کا نہیں تھا۔ کتابوں کی درجہ بندی تھی کہ کون کون سی کتابیں کس استعداد کے طالب علم کو ایک سال میں پڑھائی جائیں)۔ مختصر المعانی کے استاذ تھے حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیو بندی، بڑے پرانے او رمانے ہوئے استادوں میں سے۔ کتاب کی جماعت کافی بڑی تھی، اچھی وسیع درس گاہ بھی بھری ہوئی۔ اسی جماعت میں اسعد میاں بھی تھے۔ میں تو وہاں کسی کو بھی نہ جانتا تھا، نووارد تھا۔ انہیں پتہ نہیں کیوں کر میری طرف التفات ہوا۔ خیال آتا ہے کہ جیسے پہلے ہی دن سے مہربان ہو گئے۔ میرے لیے بھی یہ التفات قدرتی طور سے باعثِ اُنس بنا اور پھر یہ ایک درجہ کی دوستی میں بدل گیا، جس کے ابتدائی چار سال تو دارالعلوم کے احاطہ ہی میں بیتے۔

مجھے شہادت دینی چاہیے، داد دینی چاہیے کہ اسعد میاں اگرچہ اُس ہستی کے فرزند ہی نہ تھے جس کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کی سعادت اپنے لیے ہمیشہ سرمایہ فخر رہی ہے، بلکہ خود بھی درجات ومراتب کی بلندیاں طے کرتے کرتے فخرِ خاندان بنے، مگر وہ تعلق جو دارالعلوم کی طالب علمی میں انہوں نے قائم کیا تھا اس میں آخر دم تک کبھی فرق دیکھنے میں نہ آیا! بعض وقت دوستانہ بے تکلفی کا کچھ ایسا بے جا استعمال بھی مجھ سے ہو گیا کہ ڈر لگا برا نہ مان گئے ہوں۔ مگر نہیں، وضع داری میں ذرا جو فرق آیا ہو۔ میں تیس برس سے لندن میں ہوں، مرحوم کہ سراپا حرکت تھے، سال میں ایک دوبار دورہ ادھر کا بھی عرصہ سے ہونے لگا تھا۔ اسی کی بدولت ملنے جلنے کی صورت بآسانی بنتی رہی۔ اور جس وضع داری کی بات کر رہا ہوں وہ اسی ضمن میں یہ تھی کہ جب تک لیبیا والے سفری حادثہ سے پیدا ہونے والی مجبوری حائل نہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئی مشکل ہی سے مجھے اپنی قیام گاہ پہ آنے کا موقع بھی دیا، ورنہ اپنے ایک ایک منٹ کے مصروف پروگرام میں وقت نکال کے خود ہی خانہ خراب پہ آنا اور لازماً آنا۔ شاذ و نادر ہی کبھی ایسا ہوا کہ بغیر ملے لوٹ گئے ہوں۔

یہ تین مہینے کی آخری علالت کا سلسلہ جس دن شروع ہوا میں اتفاق سے اس کے دوسرے ہی دن دلی پہنچا تھا۔ اور آخری ہفتہ کو چھوڑ کر یہ پورا عرصہ انڈیا میں گزرا۔ دو دفعہ اپالو ہسپتال بھی جانا ہوا جہاں مرحوم زیرِ علاج تھے۔ مگر جس بیہوشی کی حالت میں ہسپتال لائے گئے تھے اس نے ساتھ آخر تک نہ چھوڑا کہ نام ہی کو سہی ملاقات ہو سکتی۔ اب سراپا حرکت سراپا سکون تھا۔ پس آخری ملاقات وہی رہ گئی جو تقریباً دو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس وقت بھی میں دلی پہنچا تھا، پتہ چلا کہ اسعد میاں حج میں گئے تھے وہاں سے بہت علیل ہو کے لوٹے ہیں۔ طوفان باد و باراں کی جو آزمائش اس سال حجاج کو پیش آئی تھی موصوف بھی اس کی زد میں آئے۔ یا اللہ معذوری کا وہ حال کہ بمشکل پاؤں اٹھا پاتے ہیں اور حج کے اژدحام میں جا پہنچے! کئی باتیں جو بہت شروع سے واضح کرتی گئی تھیں کہ وہ اپنے حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کے خلف الصدق ہیں ان میں سے ایک انتھک حرکت وجد جہد بھی تھی۔ مگر اس حج کی خبر نے بتایا کہ وراثت کی مقدار پر قانع نہیں رہے، اسے دو چند کیا ہے۔ عیادت کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو پتہ چلا کہ طبیعت بہتر ہے، ڈاکٹر کی اجازت سے چند دن کے لیے دیوبند چلے گئے ہیں۔ بہر حال واپس آئے۔ جمعیۃ کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ دیکھ کے فی الجملہ اطمینان ہوا کہ اس جھٹکے سے بظاہر نکل گئے۔ میں نے کہا بس بہت خدمتِ ملک و ملت ہو گئی، اب خدا کے لیے اپنے اوپر رحم کریں۔ کچھ آرام کر لیں۔ کہنے لگے اب آرام کیا کرنا؟ اسی برس پورے ہونے جا رہے ہیں۔ ذیقعدہ 1326ھ کی میری پیدائش ہے۔ لیجیے معلوم ہوا کہ سالِ پیدائش ہم دونوں کا ایک ہے۔ بس مہینوں کا آگا پیچھا ہے۔

انتھک مزاج کی وراثت کے ساتھ حوصلہ مندی کا ایک وصف بھی بھرپور پایا ہوا تھا جسے کہنا چاہیے کہ ان کا اپنا تھا۔ اس وصف کی ایک نشانی جمعیۃ العلمائے ہند کا موجودہ پُرشکوہ دفتر واقع نئی دہلی ہے۔ جن لوگوں نے جمعیۃ کا قدیم دفتر پرانی دلی کی گلی قاسم جان والا دیکھا ہوگا۔ وہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس درجہ کی حوصلہ مند فطرت لے کے اسعد میاں آئے تھے۔ حوصلہ مندی عزم و استقامت بھی چاہتی ہے۔ ماشاء اللہ اس سے بھی وہ ایسے بھرپور تھے کہ دینی میدان ہوئے یا سیاسی، تنِ تنہا ہی اپنی سوچ اور اپنے اہداف کے لیے راہیں استوار کرنے میں کبھی ادھر اُدھر دیکھتے اور تھڑ دلی کا شکار ہوتے نظر نہیں آئے۔ اور بالعموم اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے کہ حریف ان سے بازی لے جاتے ہوئے نظر نہ آئیں۔ ایک اور چیز جس میں شاید ہی ان کا حریف ہونے کی ہمت وقت کے میدانی لوگوں میں سے کوئی کر سکا ہو، کشادہ دستی و مہمان نوازی تھی۔ مٹھی کبھی بند ہو کے نہیں رہی۔ اور دسترخوان کبھی سمٹا نہیں۔ اور یہ چیز بھی انہیں اپنے والدِ والا تبار حضرت مدنیؒ سے وراثت میں ملی تھی۔ دعا ہے کہ حضرتؒ کے مثالی ورثہ کی بہتر سے بہتر حفاظت کا سلسلہ اس خاندان میں سدا جاری رہے۔

☆.....☆

© rasailojaraid.com